© rasailojaraid.com

سیّد محبوب رضوی

انگریزی سے ترجمہ: ادارہ

میرٹھ ڈویژن میں مسیحی مشن اور مسلمانوں کا روّیہ

[۱۳۸۸ھ/۶۹-۱۹۶۸ء کی "رودادِ عمل دارالعلوم دیوبند" میں لکھا گیا ہے:
بعض ریسرچ اسکالر خطوط کے ذریعہ اپنی تحقیق سے متعلق مواد اور معلومات طلب کرتے ہیں۔ اُن کی طلب کے مطابق حتی الامکان مطلوبہ معلومات اُن کے لیے مہیا کی جاتی ہیں۔ چنانچہ دہرہ دون کے ڈی-اے-وی کالج کے ریسرچ اسکالر مسٹر آر-بی-شرما صاحب کی تحقیق کا موضوع ہے: "میرٹھ ڈویژن میں انیسویں اور بیسویں صدی میں عیسائی مشن کے خلاف مسلمانوں کا کیا روّیہ رہا؟" اِس سے متعلق دارالعلوم سے تاریخی تفصیلات طلب کی گئی تھیں، جو بھیج دی گئی تھیں[1]۔

یہ "تاریخی تفصیلات" دارالعلوم دیوبند کے مؤرخ اور عالم سیّد محبوب رضوی نے فراہم کی تھیں۔ ایک زیرِ تحقیق موضوع پر مراسلت ہونے کے باعث غالباً سیّد محبوب رضوی یہ معلومات کہیں شائع نہ کرا سکے۔ ۱۹۸۸ء میں جب آر-بی-شرما (راج بہادر شرما) کی کتاب[2] Christian Mission in North India: 1813-1913 شائع ہوئی۔ کتاب میں اُنھوں نے میرٹھ ڈویژن اور دہرہ دون ضلع میں مسیحی مشنوں کی تاریخ اور کارکردگی کا تجزیہ کرتے ہوئے مقامی ردِعمل پر بھی روشنی ڈالی۔ اِس سلسلے میں اُنھوں نے سیّد محبوب رضوی کے خط کا ترجمہ بطور ضمیمہ کتاب میں شامل کیا۔ ذیل میں اِس ضمیمے کا اُردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے دفترِ اہتمام کے مطابق سیّد محبوب رضوی کی یہ اُردو تحریر اگر کہیں شائع ہوئی ہے تو معلوم نہیں[3]۔ "عالمِ اسلام اور عیسائیت" کے قارئین سے گزارش ہے کہ اگر سیّد محبوب رضوی کی اصل تحریر اُن کی نظر سے گزری ہو تو اِس کی نشان دہی کر کے شکریے کا موقع دیں۔ مدیر]

سوال: انیسویں اور بیسویں صدی میں میرٹھ ڈویژن کے مسلمانوں کا مسیحی مشن کے بارے میں کیا روّیہ تھا؟

جواب: مسلمانوں کے روّیے کو میرٹھ ڈویژن تک محدود کر کے سوال کا دائرہ بہت تنگ کر دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، مسیحی تبشیری سرگرمیاں کبھی اس ڈویژن کی جغرافیائی حدود تک محدود نہ تھیں۔ انیسویں صدی کے دوران میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان جیسے وسیع ملک کے طول و عرض پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تو یہ لازمی امر تھا کہ مسیحی مشنوں کی پُرجوش سرگرمیاں کسی خاص خطّے تک محدود نہ رہیں، اِس لیے یہ سرگرمیاں پورے ملک میں پھیل گئیں۔

اِس مرحلے پر یہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ تاریخی طور پر مسیحیّت اور اسلام ہی صرف دو مذہب ہیں جن کا ایک عالمی زاویۂ نظر ہے۔ عالمی زاویۂ نظر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اُن کا پھیلاؤ کسی خاص قوم، جغرافیائی خطّے، ملک یا براعظم تک محدود نہ رہا۔ اس کے بجائے دُنیا کا گوشہ گوشہ اُن کی ترویج کا میدان بن گیا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اس طرح کے مذہب کو کسی خاص خطّے کی جغرافیائی حدود میں بند کر دیا جاتا۔

۱۸۱۳ء کے ایکٹ کے تحت یورپی مبشّرین کو ہندوستان میں مسیحیّت کی نشر و اشاعت کے لیے اسکول کھولنے کی اجازت مل گئی۔ ان اسکولوں کے نام پر اُنہیں یہاں آنے اور پھر ترویج مسیحیّت میں بڑی مدد ملی۔ ملک کے شہری اور دیہی علاقوں میں مسیحی سرگرمیوں کا وسیع جال پھیلانے کے لیے بہت بڑی تعداد میں مسیحی مناد ہندوستان آئے۔ ان لوگوں نے اپنے محض مذہب کی خوبیاں اور فوائد بیان کرنے پر ہی اکتفاء نہ کیا، بلکہ بالعموم تمام ہندوستانی مذاہب، اور بالخصوص اسلامی تعلیمات اور کلچر کی مذمّت کی۔ منظم اسکیم کے ساتھ کتابیں شائع کی گئیں جن میں پیغمبر اسلام ﷺ، علماء، اولیاء اور مسلم بادشاہوں پر کیچڑ اچھالا گیا۔ یہ تنگ نظری غالباً اس تصوّر پر مبنی تھی کہ اس وقت جب مسلمان سیاسی زوال کے باعث ہمت ہار چکے ہیں، مسیحیّت کے مضبوط پہلو اور اسلام کی کمزوریاں اجاگر کرنے سے ایسی صورت پیدا ہو جائے گی جو تبشیری مقاصد کے حصول میں معاون ثابت ہو گی۔

اِن حالات میں، مسیحی مبشّرین کا خیال تھا کہ مسلمان اپنے مذہب کو خدا حافظ کہہ دیں گے اور حلقۂ مسیحیّت میں داخل ہو جائیں گے، اور ہندوستان پر وہ بلا روک ٹوک حکمرانی کر سکیں گے۔ معروف پادری فانڈر اس طبقے کا سب سے زیادہ نمایاں فرد تھا۔

مولانا فضل حق خیر آبادی نے جنہیں ۱۸۵۷ء میں "جہاد" کا اعلان کرنے کے جرم میں [انڈیمان] جلاوطن کر دیا گیا تھا، اپنی کتاب "الثورۃ الھندیہ" میں لکھا ہے کہ

> [برطانوی حکومت نے] سب کو نصرانی بنانے کی اسکیم بنائی۔ اُن کا خیال تھا کہ ان کو نہ تو کوئی مدد گار و معاون نصیب ہو سکے گا اور نہ انقیاد و اطاعت کے سوا سرتابی کی جرأت ہو سکے گی۔
>
> یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ لوگ انہی کی طرح ملحد و بے دین ہو کر ایک ہی ملّت پر جمع ہو جائیں اور کوئی بھی ایک دوسرے سے ممتاز فرقہ نہ رہ سکے۔ اُنہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیاد پر حکمرانوں سے باشندوں کا اختلاف تسلّط و قبضہ کی راہ میں سنگِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا، اس لیے پوری جانفشانی اور تندہی کے ساتھ مذہب و ملت کے مٹانے کے لیے طرح طرح کے مکرو حیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ اُنھوں نے بچوں اور نافہموں کی تعلیم اور اپنی زبان و دین کی تلقین کے لیے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کیے۔ پچھلے زمانے کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی ۶۔

سر سید احمد مرحوم جیسے شخص نے بھی، جس نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں [انگریزوں کی] مدد کر کے برطانوی اقتدار کے ساتھ پختہ وفاداری قائم کر لی تھی، لکھا ہے کہ

مداخلت مذہبی، کچھ شبہ نہیں کہ تمام لوگ جاہل اور قابل اور اعلیٰ اور ادنیٰ یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو اور کیا مسلمان، عیسائی مذہب اور اپنے ملک کے رسم و رواج پر لاڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے۔

سر سید احمد نے اپنی کتاب "اسبابِ بغاوت ہند" میں مزید کہا ہے کہ

ہر شخص دل سے جانتا ہے کہ --- ہماری گورمنٹ علانیہ جبر مذہب بدلنے پر نہیں کرے گی، بلکہ خفیہ تدبیریں کر کر مثل نابود کر دینے علم عربی و سنسکرت کے اور مفلس اور محتاج کر دینے ملک کے اور لوگوں کو جو اُن کا مذہب ہے اس کے مسائل سے ناواقف کر کر اور اپنے دین و مذہب کی کتابیں اور مسائل اور وعظ کو پھیلا کر، نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دیں گے۔ ۱۸۳۷ء کی قحط سالی میں جو یتیم لڑکے عیسائی کیے گئے وہ تمام اضلاع ممالک مغربی و شمالی میں ارادہ گورمنٹ کے ایک نمونہ گنے جاتے تھے کہ ہندوستان کو اس طرح پر مفلس اور محتاج کر کر اپنے مذہب میں لے آئیں گے۔ --- جب سرکار آنربل ایسٹ انڈیا کمپنی کوئی ملک فتح کرتی تھی، ہندوستان کی رعایا کو کمال رنج ہوتا تھا اور --- منشاء اس رنج کا اور کچھ نہیں ہوتا تھا، بجز اس کے کہ لوگ جانتے تھے کہ جوں جوں اختیار ہماری گورمنٹ کا زیادہ ہوتا جائے گا اور کسی دشمن اور ہمسایہ حاکم کے مقابلے اور فساد کا اندیشہ نہ رہے گا، ووں ووں ہمارے مذہب اور رسم و رواج میں زیادہ تر مداخلت کریں گے۔ --- سب جانتے تھے کہ گورمنٹ نے پادری صاحبوں کو ہندوستان میں مقرر کیا ہے۔ گورمنٹ سے پادری صاحب تنخواہ پاتے ہیں۔ گورمنٹ اور حکام انگریزی ولایت زا جو اس ملک میں نوکر ہیں، وہ پادری صاحبوں کو بہت سا روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں۔ اکثر حکام متعہد اور افسرانِ فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفتگو شروع کی تھی۔ بعضے صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہماری کوٹھی پر آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو --- کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ گورمنٹ کی عمل داری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔ /

--- تکرارِ مذہب کی کتابیں بطور سوال جواب چھپنی اور تقسیم ہونی شروع ہوئیں، ان کتابوں میں دوسرے لوگوں کے مقدس لوگوں کی نسبت الفاظ اور مضامین رنج دہ درج ہوتے ---۱ پادری صاحب غیر مذہب کے مجمع اور تیرتھ اور میلے میں جا کر وعظ کہتے تھے اور کوئی شخص صرف حکام کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا۔ بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحب کے ساتھ تھانہ کا ایک چپڑاسی جانے لگا۔--- مشنری اسکول بہت جاری ہوئے اور اُن میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی--- بہت بڑے بڑے عالی قدر حکام متعہد ان اسکولوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو ان میں داخل اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ امتحان مذہبی کتابوں میں سے لیا جاتا تھا اور طالب علموں سے --- پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون، تمہارا نجات دینے والا کون، اور وہ [جو] عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے، اس پر اُن کو انعام ملتا تھا۔--- یہ صرف ہندوستان کی محتاجی اور مفلسی کا باعث تھا کہ لوگ اس خیال سے کہ ان اسکولوں میں داخل ہو کر ہماری اولاد کو کچھ وجہ معیشت اور روزگار حاصل ہوگا۔ ا

دیہاتی مکتبوں کے مقرر ہونے سے سب لوگ یقین سمجھتے تھے کہ صرف عیسائی بنانے کو یہ مکتب جاری ہوئے ہیں۔ پرگنہ وزیٹر اور ڈپٹی انسپکٹر جو ہر ہر گاؤں اور قصبہ میں لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے تھے کہ اپنے لڑکوں کو مکتبوں میں داخل کرو، ہر ہر گاؤں میں کالا پادری اُن کا نام تھا۔--- عوام اُنہیں یوں خیال کرتے تھے کہ یہ عیسائی مکتب ہیں اور کرشتان بنانے کو بٹھاتے ہیں۔

--- ۱۸۵۵ء میں پادری اے - ایڈمنڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہو گئی --- مذہب بھی ایک چاہیے۔--- ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا، پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ سب کو یقین ہوگیا کہ --- اب جتنے سرکاری نوکر ہیں، اوّل اُن کو کرشتان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو۔ آپس میں ہندوستانی لوگ اہل کارانِ سرکاری سے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس بھی چٹھی آئی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تم بھی بسبب لالچ نوکری کے کرشتان ہو گئے۔ ان چٹھیوں نے یہاں تک ہندوستانی اہل کاران پر الزام لگایا کہ جن کے پاس چٹھیاں آئی تھیں وہ مارے شرمندگی اور بدنامی کے چھپاتے تھے۔---[5]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۳۵ء [کذا] میں ایجوکیشن کمیٹی کے چیئرمین لارڈ میکالے نے ہندوستان کے آئندہ نظام تعلیم کا نقشہ یوں پیش کیا کہ "ہمیں ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہیے جو ہمارے اور ہماری رعایا کے درمیان ترجمان کا کردار ادا کر سکے۔ وہ رنگ و خون کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر اپنی رائے، زبان اور فکر کے اعتبار سے برطانوی[۲]۔"

ایک طرف مسیحی مبشّرین سرکاری حکام کی پشت پناہی سے مشن اسکول کھولنے کے انجیلی کاموں میں سرگرم تھے، جہاں تعلیم کے لیے تمام سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں اور ملازمت کے لیے ہر قسم کی ترغیب دی جاتی تھی۔ دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستانی باشندوں، اور بالخصوص مسلمانوں کو، مفلوک الحال بنانے اور اُن کی تہذیب و ثقافت سے اُنھیں محروم کر دینے کی اسکیم پر عمل پیرا تھی۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا گیا۔ اسکولوں میں ملازمت کے لیے اِس لیے ترغیبات دی جاتی تھیں کہ یہ ادارے تبدیلی مذہب کا بڑا ذریعہ سمجھے جاتے تھے، تاہم ان کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کا مضبوط ایمان اور تعلیم و تعلم کا نظام تھا۔ ۱۸۳۵ء کی تعلیمی اسکیم اسی تناظر میں بنائی گئی تھی۔ میکالے نے جس نظام کی بات کی ہے، اس کا مقصد "ایک ایسے طبقے کی تخلیق تھا جو رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوتا، مگر مسیحی افکار و اعمال کے سانچے میں ڈھلا ہوتا۔"

مسیحی مبشّرین نے مسیحیّت کی ترویج و اشاعت کے لیے جو ذرائع استعمال کیے، اُنھیں چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اسکول

مسیحی مبشّرین نے انگریزی کی تدریس کے لیے مشن اسکول کھولے۔ اِن اسکولوں میں بائبل کی کلاسوں میں حاضری لازمی تھی۔ کسی مذہب کی اشاعت و ترویج میں تعلیم ہمیشہ بہترین ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ طلبہ جن کی اپنے مذہب کے بارے میں معلومات بہت کم ہوتی ہیں، اُن کے ناپختہ ذہنوں کو متاثر کرنا آسان ہوتا ہے۔ اُنھیں اپنی روایات سے بہ آسانی ہٹایا جا سکتا ہے، نیز استاد اپنے مذہب کی خوبیوں کی دلچسپ تشریحات کے ذریعے طلبہ کی ذہن سازی میں اُن کی کم سنی، ناتجربہ کاری اور سادگی جیسے عناصر سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

اُس دور میں بالعموم یہ خیال کیا جاتا تھا کہ بچے انگریزی پڑھنے کے بعد اپنے دین سے بیزار ہو جاتے اور مسیحیّت اختیار کر لیتے تھے، اس لیے مسلمانوں نے انگریزی پڑھنے کی سختی سے مخالفت کی اور اپنے بچوں کے لیے مشن اسکول کی تعلیم مسترد کر دی۔ مسیحی مشنوں کے خلاف مسلمانوں کا ایک ردِ عمل یہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ ہسپتال

مشن ہسپتالوں سے بھی ترویجِ مسیحیّت کا کام لیا گیا۔ وہاں مریضوں کو تبدیلیٔ مذہب کی ترغیب دی جاتی تھی، ایک حد تک یہ طریقہ کار آج بھی موجود ہے۔ بنا بریں مسلمانوں نے طب کا ایلوپیتھی طریقۂ علاج اپنانے کی مخالفت کی اور مقامی یونانی طب اور آیورویدک طریقِ علاج میں گہری دلچسپی لی۔ اس اقدام کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نہ صرف علاج کے یہ طریقے قائم رہے، بلکہ اُس وقت سے اب تک اِن میں مسلسل آگے بڑھنے کا عمل جاری رہا۔

۳۔ عوامی منادی

مسیحی مشنوں نے ترویجِ مسیحیّت کے لیے تیسرا طریقہ عوامی منادی کا اپنایا۔ مسلم اہلِ علم نے مناظرے کر کے مسیحی منادوں کو پوری قوت سے چیلنج کیا۔ مسلم مناظرین نے اپنے پُرزور دلائل سے مبشّرین کو ایسی شکست دی کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اِس ضمن میں آگرہ اور شاہجہانپور میں کھلے عام مناظروں کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ آگرہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا منصور دہلوی [ابوالمنصور دہلوی] اور ڈاکٹر وزیر خان نے زبردست اور علمی دلائل پیش کیے، نیز مسیحیّت کے خلاف ایسے زبردست اعتراضات کیے کہ مشہور مبشّر فانڈر پر اِس قدر رعب طاری ہوا کہ اُسے سرے سے ہندوستان چھوڑ دینے ہی میں عافیت نظر آئی۔ آگرہ کے اِس مناظرے کی تفصیلات شائع ہو چکی ہیں۔ شاہجہانپور میں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مسیحی منادوں کو اپنے بھرپور زورِ بیان سے شکست دی۔ اِن مناظروں کی رُودادیں "گفتگوئے مذہبی" اور "مباحثۂ شاہجہانپور" کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ متعدد دوسرے مقامات پر مسلمان علماء نے اِس طرح کے مناظرے کیے اور مسیحی مبشّرین کے لیے کام کرنا مشکل بنا دیا۔ یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ مسیحی مبشّرین صرف اپنے مذہب کی تبلیغ ہی سے مطمئن نہ تھے۔ اگر اُنھوں نے اپنی سرگرمیاں اپنے مذہب کی تبلیغ ہی تک محدود رکھی ہوتیں تو مسلمانوں کی جانب سے اُن کی کوئی مخالفت نہ ہوتی۔ اِس کے برعکس اُنھوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال کوئی مذہبی برادری برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کا برمحل ردِعمل سامنے آیا اور مشنوں کے اثرات ختم کرنے کے لیے ممکنہ حد تک اُنھوں نے جدوجہد جاری رکھی۔

۴۔ لٹریچر کی طباعت و اشاعت

مسیحیّت کی ترویج و اشاعت کے لیے یہ چوتھا طریقہ تھا جو مسیحی مبشّرین نے اپنایا۔ اِس میدان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی اُنھوں نے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کو نشانۂ تنقید بنانے کا قابلِ اعتراض رویّہ اختیار کیا۔ اُن کی مطبوعات میں مسیحی ایمان و عقیدہ کی تشریح و توضیح کی نسبت ان حملوں کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اس میدان میں مسیحی مبشّرین کو مسلمانوں نے چیلنج کیا اور بڑی حد تک اُن کی کوششیں کمزور پڑ گئیں۔ اس ضمن میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا نام ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ اُنھوں نے اپنی کتاب "اظہار الحق" میں نہ صرف اسلام کے خلاف مسیحیوں کے عائد کردہ الزامات کے بخیے ادھیڑ دیے ہیں، بلکہ مسیحیت پر اعتراضات کر کے مبشّرین کو دفاعی انداز اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کتاب کا اُس زمانے میں یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہونا اس کی کامیابی اور مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بلاشبہ مسلمانوں کو سیاسی طور پر انگریزوں نے شکست دی تھی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے تعلیم و تحقیق اور فلسفے کے میدان میں کبھی اُنھیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ مسلمان علماء نے اُنھیں تبدیلیٔ مذہب کی جدوجہد میں ہر محاذ پر شکست دی۔ اس حد تک کہ مسیحی مبشّرین مجبور ہو گئے کہ دوسرے مذاہب کے خلاف جارحانہ پروپیگنڈا بند کر دیں اور اپنے انجیلی مقاصد کو حدود میں رکھیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے روایتی اسلامی نظامِ تعلیم کی جگہ جو نیا نظامِ تعلیم متعارف کرایا، اس نے مسلمانوں کو سخت مایوس کیا۔ اس نئے نظامِ تعلیم کی مخالفت کم و بیش پورے ہندوستان، بشمول میرٹھ ڈویژن میں پھیل گئی۔ چونکہ میرٹھ ڈویژن اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک اہم مرکز تھا، اس لیے بات محض بحث مباحثہ تک محدود نہ رہی۔ علاقے کے مسلمانوں نے اپنے ورثے کی حفاظت میں ٹھوس اقدامات کیے۔ دہلی کے بعد میرٹھ پہلی جگہ تھی جہاں ایک پرنٹنگ پریس، مطبع ہاشمی لگایا گیا۔ اس پریس سے قرآن مجید کی طباعت کے ساتھ متعدد مذہبی کتابیں طبع ہوئیں۔ ان میں سے بعض کتابوں میں مسیحیّت کے دعووں کی تردید کی گئی ہے۔ بتدریج بہت سے دوسرے مطابع قائم ہوئے۔ ان مطابع سے چھپ کر آنے والی کتابوں نے مسلمانوں کی دینی معلومات میں قابلِ لحاظ اضافہ کیا۔ ان کتابوں کے قارئین مسلمان علماء کے پُرزور دلائل سے مطمئن تھے جو اُنھوں نے اسلام کے خلاف مسیحی مبشّرین کے اعتراضات کے جواب میں پیش کیے تھے۔ اسلامی معلومات کی اشاعت نے مسیحیّت کے راہ میں سخت مشکلات پیدا کر دیں۔ ان اقدامات کے نتیجے میں مشنوں کی ترویجِ مسیحیت کی کاوشیں اُن کی توقعات کے مطابق ثمر آور ثابت نہ ہوئیں۔

انیسویں صدی کے دوران میں مسلمانوں نے ایک اور مثبت اقدام یہ کیا کہ اسلامی مدارس قائم کیے جانے لگے۔ پورے ملک میں اپنی طرز کا واحد ادارہ دارالعلوم [دیوبند] ۱۸۶۷ء میں قائم کیا گیا۔ آج یہ ایشیا میں مسلمانوں کی مرکزی اور بین الاقوامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ایشیا کے تقریباً ہر ملک کے طلبہ کلامی، روحانی اور ثقافتی مہارتوں کے حصول کے لیے اس ادارے میں آتے ہیں۔ دارالعلوم [دیوبند] کے قیام کے چند ماہ بعد سہارنپور میں ایک مکتب مظاہر العلوم قائم کیا گیا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر تھانہ بھون، مظفر نگر، امبیٹھہ، گلاؤٹھی، میرٹھ اور ضلع بلند شہر میں ایسے ادارے قائم کیے گئے۔

چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں قدیم اسلامی نظامِ تعلیم کا سارا ڈھانچہ اور اس کے وہ ذرائع مالیات ختم ہو کر رہ گئے تھے جن سے یہ گزشتہ چھ صدیوں سے قائم تھا، بدلے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو پورے شعور اور حوصلہ مندی کے ساتھ حالات کا جائزہ لینا پڑا۔ اُنھوں نے ایک "نیا تجربہ" کیا جو آخر الامر بہت مفید اور ازحد کامیاب ثابت ہوا۔

یہ "نیا تجربہ" عوام سے عطیات حاصل کرنے کی اسکیم پر مبنی تھی۔ دارالعلوم دیوبند اور "نئے تجربے" کے ایسے مزید اداروں کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متعدّد قومی تعلیمی اور مذہبی اداروں نے عطیات کا طریقہ اختیار کیا۔ اس فارمولے کی کامیابی سے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بڑی تعداد میں اسلامی اور مذہبی ادارے قائم ہوئے۔ یہ ادارے نہ صرف آج تک قائم ہیں، بلکہ اُنھوں نے خاصی ترقی کی ہے۔ صرف دارالعلوم دیوبند میں ہر سال ۱۵۰۰ طلبہ، تقریباً دو سو اساتذہ اور دوسرے کارکنوں کی نگرانی میں تعلیم پاتے ہیں۔ طلبہ کوئی ٹیوشن فیس ادا نہیں کرتے، اس کے برعکس ادارہ طلبہ کو خورد و نوش اور رہائش کی مفت سہولتوں کے ساتھ، نصابی کتابیں اور سرما و گرما میں کپڑے فراہم کرتا ہے۔ اس کا سالانہ بجٹ چھ ہندسوں کے عدد میں ہے اور یہ ساری رقم عوام کے عطیات سے حاصل ہوتی ہے۔ عطیات کے لیے کوئی شرح مقرر نہیں۔ یہ مکمل طور پر عطیّہ دینے والے کی مرضی اور خوشی پر چھوڑ دی گئی ہے۔ ادارے نے ۱۰۵ سال کے طویل عرصے میں حکومت سے کوئی امداد حاصل نہیں کی۔

اگرچہ یہ ادارے تشکیلِ جدید کے منصوبے کے تحت کھولے گئے تھے جن کا بنیادی مقصد اسلامی علم و ثقافت کا تحفّظ تھا، تاہم یہ مسیحی مشنوں کی تبشیری سرگرمیوں کے بالمقابل مضبوط قلعے ثابت ہوئے۔ ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ پورے ملک میں پھیل گئے۔ تبلیغ و اشاعت، نیکی کی ترغیب اور اسلامی علوم کی تشریح و توضیح کی ذاتی مثالوں سے ان لوگوں نے مسیحی مبشّرین کے راستے کی مشکلات میں بہت اضافہ کیا۔ اس طرح ہندوستان میں اشاعتِ مسیحیّت کے لیے ۱۸۵۷ء کے کلکتہ مشن کی اُمید ہمیشہ کے لیے ختم ہو کر رہ گئی۔

مسیحی مشنوں کے بارے میں میرٹھ ڈویژن کے مسلمانوں کا ردّیہ کم و بیش وہی تھا جو مسلمانوں نے بحیثیتِ مجموعی پورے ہندوستان میں اپنایا تھا، تاہم جہاں تک "مشن چیلنج" سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ٹھوس اور تعمیری اقدامات کا تعلق ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرٹھ ڈویژن میں اسکولوں اور مذہبی مدرسوں کے قیام نے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر آیا ہے، اس علاقے میں مسیحی مشنوں کی ناکامی میں اہم کردار ادا کیا۔

آخر میں، یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ آپ کے سوال کا بہت مختصر اور ایک خاکے کی حد تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب ہے۔ چند صفحات اور پھر مختصر وقت میں تفصیلات مہیا کرنا بہت ہی مشکل امر ہے۔

حواشی

[تعارفی شذرے کے حواشی ۱ تا ۳ مترجم و مرتب کے قلم سے ہیں، باقی حواشی صاحب تحریر سید محبوب رضوی کے لکھے ہوئے ہیں۔ مضمون میں نقل شدہ اقتباسات اصل کتابوں سے لیے گئے ہیں۔]

۱۔ دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند، رودادِ عمل دارالعلوم دیوبند - ۱۳۸۸ھ، دیوبند (س - ن)، صفحات ۴ - ۵

۲۔ متّل پبلی کیشنز - دہلی (۱۹۸۸ء)

۳۔ مکتوب بنام مدیر "عالم اسلام اور عیسائیت"

۴۔ فضل حق خیر آبادی، الثورۃ الھندیہ، بجنور: مدینہ پریس (س - ن)، صفحات ۳۵۶ - ۳۵۷

۵۔ سیّد احمد خان، اسباب بغاوتِ ہند (اقتباسات)

۶۔ بحوالہ میجر باسو، History of Education، صفحات ۱۰۵ - ۱۰۹

© rasailojaraid.com